مولانا محمد حنیف ندوی

ایک آیت

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ۔

دین میں زبردستی نہیں ہے۔ ہدایت صاف طور پر گمراہی سے الگ ہو چکی ہے۔

آج سے چودہ سو سال پہلے جب انسانی حقوق کا کوئی نقشہ مرتب نہیں ہوا تھا، اسلام وہ پہلا مذہب ہے جس نے حریتِ ضمیر و عقیدہ کا اصول پیش کیا، اور اپنے ماننے والوں سے واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ جہاں تک حق اور دینی سچائیوں کو قبول کرنے کا تعلق ہے، کوئی ایسا ہتھکنڈہ استعمال نہ کیا جائے، جو جبر و اکراہ پر مبنی ہو اور کوئی ایسی شے بروئے کار نہ لائی جائے جس سے یہ تاثر پیدا ہو کہ لوگوں کو دائرۂ اسلام میں لانے کے لیے تشدد اور سختی سے کام لیا جا رہا ہے۔ پہلے تو اس پر غور کیجیے کہ آج جب انسان تہذیب و شائستگی کے فراز اعلیٰ پر متمکن ہے اور روشن ضمیری اور تنور کا دعوے دار ہے، اس کا اپنا یہی وہ بنیادی استحقاق ہے جس کو ماننے کے لیے یہ تیار نہیں۔ آج سیاسی نظریات اور اجتماعی تصورات کو ذہنوں میں ٹھونسا اور معاشرہ میں رواج دیا جا رہا ہے کہ جس سے انسان کا جذبۂ حریت صاف طور پر مجروح ہوتا ہے اور عظمتِ انسانی کا اصول بری طرح پامال ہوتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود آج کا حیوانِ اجتماعی مصر ہے کہ ابلاغ کا یہی ذریعہ صائب اور درست ہے۔ حالانکہ زندگی کے ان تمام نقشوں میں اس بات کا احتمال موجود ہے کہ یہ غلط ہوں یا ان میں فکر و استدلال کی خامیاں پائی جائیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود زندگی کی منطق ان کو جھٹلا دے۔

اس کے مقابلہ میں قرآن جس دعوت کو پیش کرتا ہے، وہ انسانی فکر و اندیشہ کی کارفرمائیوں کا نتیجہ نہیں، کیوں کہ اس کا تعلق براہِ راست نطقِ جبریل سے ہے، سرچشمہ لاہوت سے ہے اور اس عالمگیر صداقت سے ہے جو پوری کائنات میں منعکس ہے۔ اس پر بھی مسلمانوں کو ہدایت ہے کہ سچائی کی تبلیغ و اشاعت کا وہی اسلوب اختیار کرو جو معقول، آزادانہ اور قدرتی ہے۔

یعنی اس کو اس درجہ نکھارو، دلائل و براہین سے آراستہ کرو اور دل نشین انداز میں بیان کرو کہ لوگ خود بخود اس کی طرف کھنچے چلے آئیں۔ اس لیے کہ انسان اتنا احمق نہیں ہے کہ "تبیّنت رشد" کے بعد بھی ضلالت و گمراہی میں کشش محسوس کرے۔ جب حق واضح ہوگا، سچائی نکھر کر فکر و نظر کے سامنے آئے گی تو ہر معقول انسان اس کو قبول کرنے پر آمادہ ہو جائے گا۔

قرآن حکیم نے انسان کے اس حق اختیار کا کس درجہ احترام کیا ہے؟ اس کا اندازہ اس تعلیم اور اصول سے ہوتا ہے کہ اسلام کے بارہ میں ہر طرح کے اکراہ کو اس نے ناجائز ٹھہرا دیا۔ حالاں کہ جب انسانی نظریات و تصورات کو بجبر معاشرہ میں رواج دیتے ہیں، آج کی مہذب دنیا کوئی عیب تصور نہیں کرتی، تو اسلام اگر جبر و اکراہ کو جائز ٹھہرا دیتا تو اصولاً اس پر کوئی اعتراض وارد نہ کیا جا سکتا تھا۔ بالخصوص جب کہ اس جبر و اکراہ کی تائید میں یوں بھی کہا جا سکتا تھا کہ اگر ایک بات فی الواقع حق ہے، اگر ایک نظریہ انسانیت کی فلاح و بہبود کا درحقیقت بہترین ضامن ہے اور اس سے تہذیب و اخلاق کا قافلہ یقیناً آگے بڑھتا ہے، تو اس سلسلہ میں ہر وہ اقدام جائز تصور کیا جانا چاہیے جس سے قبولیت و پذیرائی کا یہ عمل تیز تر ہوتا ہے۔ لیکن اسلام نے تبلیغ و اشاعت کی یہ راہ اختیار نہیں کی اور جبر و اکراہ کی اس منطق کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ اس نے اس کے برعکس انسانی قدروں کا احترام کیا اور پوری نوع انسانی کو اس ذلت سے بچا لیا کہ وہ مذاہب و ادیان کے معاملہ میں اپنے کو مجبور اور بے اختیار تصوّر کرے۔

علاوہ ازیں اسلام نے اس بنا پر بھی جبر و اکراہ کو ناجائز ٹھہرایا کہ یہ کوئی تحریک نہیں، دین ہے اور اس کا تعلق براہِ راست اس جذبۂ اخلاص سے ہے کہ ہمیں اخلاق فاضلہ سے آراستہ ہونا ہے۔ ہمیں قلب و روح کی پاکیزگی کا اہتمام کرنا ہے، ہمیں خدا اور رسول کی محبت کے حصول میں کوشاں رہنا ہے، ہمیں اللہ کی طرف بڑھنا اور ترقی کرنا ہے اور اس کی صفات کی روشنی میں تزکیہ، تخلیہ اور تقرب کی منزلیں طے کرنا ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں اپنی کوششوں سے فرد و معاشرہ کو اس سطح بلند تک اچھالنا ہے، جہاں ذاتی فائدے اور مصلحتیں ہیچ نظر آئیں، اور ہم اس لائق ہوں کہ صرف ایمان و عمل کی وادیوں ہی میں اپنے لیے راحت و لذت محسوس کرنے لگیں۔

ظاہر ہے کوئی بھی شخص ان کیفیات سے اس وقت تک بہرہ مند نہیں ہو سکتا، جب تک وہ اسلام کو بغیر کسی دباؤ، اکراہ اور مجبوری کے، شاداں و فرحاں قبول نہیں کرتا۔

جبر و اکراہ کے بل پر کسی نظریے کو ماننے اور ہنسی خوشی کسی حقیقت کو قبول کرنے میں ایک بیّن فرق یہ ہے کہ اول الذکر صورت کو قطعی ثبات حاصل نہیں۔ یعنی جبر و اکراہ کی چکی میں دبا اور پسا ہوا انسان یا معاشرہ جب بھی حالات کو موافق اور سازگار پائے گا، بلا تامل بغاوت اور ارتداد کی آگ میں کود پڑے گا۔ بخلاف اس شخص یا معاشرہ کے جس نے سوچ سمجھ کر اور انشراح صدر اور بشاشت قلب سے کسی حقیقت کو تسلیم کیا ہے، یہ وہ شخص یا گروہ ہے جو بغاوت و ارتداد کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ چہ جائیکہ کوئی ہلکی سی ترغیب اس کے ایمان کو ڈانواں ڈول کر دے۔

عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصّہ

مصنف: ڈاکٹر زبید احمد۔ مترجم: شاہد حسین رزاقی

یہ پاک و ہند کے عربی ادب کی مفصل تاریخ ہے۔ عربی سے مسلمانوں کا گہرا روحانی اور جذباتی تعلق ہمیشہ قائم رہا، اس زبان میں ایسی کتابیں لکھی گئیں جو عربی ادبیات کی تاریخ میں خاص اہمیت اور دلچسپی کی حامل ہیں لیکن کئی اسباب کی وجہ سے ان کے متعلق نہ صرف عوام بلکہ علماء محققین کی معلومات بھی محدود رہیں اور عربی ادبیات کی تاریخوں میں ان کا مناسب طور پر ذکر نہیں کیا جا سکا، اس طرح ایک خلا باقی رہ گیا تھا جو ڈاکٹر زبید احمد نے یہ کتاب لکھ کر پُر کر دیا ہے۔

اس کتاب میں تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، کلام، فلسفہ، ریاضی، ہیئت، طب، تاریخ، لغت، شعر و ادب وغیرہ سے متعلق تصانیف کا تذکرہ جداگانہ ابواب میں کیا گیا ہے اور ان کے بارے میں تفصیلی معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ اہم عربی کتب کا خلاصہ دینے کے ساتھ ان کے مصنفین کا تذکرہ بھی قلم بند کیا گیا ہے چونکہ ان تصانیف میں سے اکثر طبع نہیں ہوئی ہیں اس لیے اس کتاب میں پیش کردہ معلومات کی اہمیت اور زیادہ ہو گئی ہے اور اسلامیان پاک و ہند کی دینی اور علمی تاریخ سے باخبر ہونے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ بہت مفید ہے۔ یہ کتاب پنجاب یونیورسٹی کے ایم۔ اے (اسلامیات) کے نصاب میں داخل ہے۔

قیمت: ۱۲/ روپے

ملنے کا پتہ: ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور